پروفیسر عبدالغفور چودھری

بوعلی سینؒا کی تعلیم

ایک فطین ذہن کی تربیتی داستان

آج دنیا ایک عالمگیر دوڑ میں شریک ہے۔ ایسی دوڑ جس کے رگ و ریشے ایک سرطان کی طرح قوموں کے اعصاب پر چھا گئے ہیں۔ ان میں سیاسی دوڑ کا میدان سب سے زیادہ گہما گہمی کا نظارہ پیش کرتا ہے۔ اس خطرناک اولمپک کے تحت ایٹمی اسلحہ کی دوڑ، خلائی دوڑ، میکانکی ذہنی مشینوں کی دوڑ، سبھی دوڑیں شامل ہیں۔ آج ہر ملک کے حکومتی نظام میں وزیروں، مشیروں کے مقابلہ میں سائنس دان اور تکنیکی ماہرین کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔ قومیں تباہ کار ارباب ایجاد کے لیے چند محل ہی نہیں بلکہ پوری پوری بستیاں کھڑی کر رہی ہیں اور غیر ملکوں کے سائنس دانوں کو دامے درمے سخنے ہر طرح سے اپنا ملکی بنانے کی کوشش میں لگی ہیں اور اگر "برائی برنز" کا داؤ نہیں چلتا تو زبردستی کا نسخہ استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے سائنسدانوں کا اغوا بین الاقوامی سیاست کی ایک زندہ حقیقت بن چکا ہے۔ بڑی طاقتوں کی یہ دوڑ اصل میں ذہنی اور اختراعی قوتوں کی دوڑ ہے اور جو اس ہماگم دوڑ میں حریف کو شکست دے دیگا، میدان اسی کے ہاتھ رہے گا۔

فطین طلبا کی خصوصی تعلیم :

آج امریکہ دنیا بھر میں ذہنی فطانت کا سب سے بڑا خریدار ہے اور اس جنس کے لیے زیادہ سے زیادہ قیمت لگانے کو تیار ہے۔ اسی لیے انگلستان اور دوسرے یورپی ملکوں کے ماہرین ایک مستقل اور مسلسل رَو کی صورت میں امریکہ کا رخ کر رہے ہیں اور ان ترقی یافتہ ملکوں میں بھی ایک زبردست ذہنی خلا یا بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اس عالمگیر دوڑ کے لیے امریکہ اور دوسرے ملک اپنی نسل کو بھی تیار کر رہے ہیں۔ امریکہ میں آج فطین (Gifted) طلبا کے لیے خصوصی تعلیم پر پوری توجہ مبذول کی جا رہی ہے اور ثانوی تعلیم کا پورا ڈھانچہ اس مقصد کی برآری کے لیے تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اس کام پر لاکھوں ڈالر خرچ کیے جا رہے ہیں کہ فطین اور ذہین طلبہ کے لیے ایک مخصوص تعلیمی طریق مرتب کیا جا سکے۔ چھوٹی قومیں اس دوڑ میں شریک ہونے کی ہمت تو کیا کر سکتی ہیں

البتہ اس کے لیے ایک تماشائی کی حیثیت ضرور رکھتی ہیں لیکن اگر انھیں بھی اس بے پناہ مقابلہ و مجادلہ کی دنیا میں زندہ رہنا ہے تو ضروری ہوگا کہ وہ بھی اپنے ذہین اور فطین طلبہ کی طرف خصوصی توجہ دیں کیونکہ اگرچہ وہ بڑی طاقتوں کے مقابلے میں سیاسی دنگل میں اترنے کی ہمت تو نہیں رکھتیں لیکن انھیں اپنے قومی وسائل کو آبادی کے دھماکے دار افزونی کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہے تو انھیں اپنے ہاں ایسے ذہین و فطین نوجوان تیار کرنے ہوں گے جو ان کے خصوصی حالات میں قومی وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے میں ملک و قوم کی رہنمائی کر سکیں۔

عالمی تاریخ میں ایک ایسا دور بھی گزرا ہے جب اس ذہنی دوڑ میں مسلمان آگے آگے تھے اور باقی دنیا کو ان کے نقشِ قدم پر چلنا پڑ رہا تھا۔ ابن سینا کا دور ہماری تاریخ کے اُس عہد کی ایک زریں یادگار ہے اور ان کی تعلیم ایک ذہین و فطین طالب علم کی تعلیم و تربیت کا نمونہ ہے۔

ان کے طریقِ تعلیم کا مطالعہ ہمارے لیے محض تاریخی دلچسپی ہی نہیں رکھتا بلکہ وہ ایسے تعلیمی اصُولوں کی نشاندہی کرتا ہے جو نظامِ تعلیم میں ذہین و فطین بچوں کی تعلیم کے انتظام و انصرام کے لیے عملی ہدایات کا سرچشمہ بن سکتی ہیں۔

فطانت کی جانچ :

فطین طالب علم کی تعلیم میں سب سے اہم پہلو اس کی فطری فطانت کی جانچ ہے۔ آجکل ماہرین نفسیات نے اس کے لیے نفسیاتی اور دوسری قسم کی جانچیں تیار کی ہیں۔ ابن سینا کے زمانے میں اس کا اندازہ اساتذہ اور والدین لگاتے تھے اور بچے کے ذہنی معیار کے پیشِ نظر اس کے لیے طریقِ تعلیم ہی نہیں بلکہ نصاب بھی معین کر لیتے تھے۔ اس کے معین کرنے میں فطین بچہ ایک حد تک خود بھی امداد کرتا تھا۔ بوعلی سینا کی تعلیم میں ان کے والد، اساتذہ اور ان کی اپنی ذات کے اثرات فعال طریق پر بروئے کار رہے ہیں۔

گھر کا تعلیمی ماحول :

شیخ کو اپنے گھر میں عقلیات اور ریاضی کی تعلیم کا جو ماحول ملا، وہ دوسروں کو کم نصیب ہوتا ہے۔

ان کے والد نے اسمٰعیلی مبلغین کی دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں اسلامی ممالک میں علوم و فنون کا ذوق عام تھا اس لیے یہ لوگ اسماعیلی پیغام میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے لوگوں کے ساتھ عقل و نفس کے نظریات پر بحث کرتے تھے۔ شیخ کے بڑے بھائی اپنے والد کے ساتھ فلسفہ اور حسابِ ہندسی کے موضوعات

پر بحث کیا کرتے تھے ۔ ان کے والد اسماعیلیہ لوگوں کی مجالس میں جاتے تھے ۔ کبھی کبھی یہ مجلس ان کے ہاں بھی منعقد ہوتی تھی ۔

اپنی خود نوشت سوانح عمری میں شیخ کہتے ہیں کہ میرے والد داعیان اسماعیلیہ میں سے ایک کے ساتھ منسلک ہو گئے تھے ۔ میں بھی ان کی نفس و عقل کے موضوع پر بحثوں کو سنا کرتا تھا ۔ میرا بڑا بھائی بھی ان لوگوں کی طرف مائل تھا ۔ میں ان کے مباحث کو کان لگا کر سنتا تھا اور جو گفتگو ہوتی تھی اسے سمجھنے کی کوشش کرتا تھا ۔ البیہقی کہتا ہے کہ شیخ کے والد اخوان الصفا کے رسائل کو بھی زیرِ مطالعہ رکھتے تھے اور شیخ کو شروع سے ہی ان رسائل سے دلچسپی ہو گئی تھی ۔

ایک سبزی فروش ماہرِ حساب :

شیخ کے ہمسایہ میں ایک بقال یا سبزی فروش محمود مساح نامی تھے ۔ انھیں حساب ہندی اور جبر و مقابلہ میں دسترس تھی ۔ ان کے والد نے انھیں حساب ہندی سکھانے کے لیے ان کے پاس شاگرد بٹھا دیا ۔ اسلامی نظامِ تعلیم میں علم حساب کو ذہنی تربیت کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل تھی ۔ اور علم منطق اور اس کے طریقِ استدلال و استنباط کی ابتدائی مشق حساب کے سوالوں سے ہی کرائی جاتی تھی ۔ بقول ابن خلدون "علم حساب میں استدلال روزمرہ کی جانی پہچانی مفرد ان اشیا کی امداد سے کیا جاتا ہے جس کا سمجھنا بچے کے لیے آسان ہوتا ہے"۔ حساب ہندی کی ابتدائی تعلیم نے یقیناً نوعمر ابن سینا کے ذہن میں صحیح طریقِ فکر کی ایسی راہیں کھول دیں جن پر آگے چل کر ان کا پورا اندازِ فکر اسی انداز میں ڈھل گیا ۔ اس طرح انھوں نے بے شمار علوم و فنون میں علمی دنیا کو ایسے ایسے گوشوں اور پہلوؤں سے روشناس کرایا جو اس وقت تک انسانی فکر کی رسائی سے باہر تھے ۔ علم حساب کے اس پہلو کو ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم میں ایک حد تک بالکل فراموش کر دیا گیا ہے ۔

ریاضیات کی تعلیم :

ریاضیات کی تعلیم کے اس سلسلے کو انھوں نے اپنے ایک اور استاد ابو عبداللہ ناتلی کی امداد سے آگے بڑھایا ۔ ناتلی ابو الفرج الجاثلیق الطبیب کا شاگرد تھا ۔ ابو الفرج یونانی اور رومی دونوں زبانیں جانتا تھا ۔ ناتلی سے شیخ نے منطق اور ریاضیات میں ایک حد تک درجہ کمال حاصل کیا ۔ شیخ کے والد حکومت کی طرف سے بخارا کے قریب ایک چھوٹے سے قریہ قرمشین کے عامل تھے ۔ ظاہر ہے کہ ان کے ہاں مالی وسائل کی کچھ ایسی فراوانی نہیں ہو گی مگر اس کے باوجود انھوں نے شیخ کی تعلیم کے لیے بڑی قربانی کا ثبوت دیا اور ابو عبداللہ ناتلی

کر ابنِ سینا کی تعلیم کے لیے اپنے گھر مہمان رکھا۔

ذاتی ٹیوٹر :

اسلام کی علمی تاریخ میں بعض مفکرین کو یہ سہولت مہیا ہوئی کہ ان کو اپنے گھر ہی میں اپنی تعلیمی زندگی کے آغاز سے ہی ذاتی ٹیوٹر سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ ابنِ خلدون، محمد عبدہٗ اور اسی طرح کئی ایک اور علما کو اسی طرح ان کے گھر میں قیام کرنے والے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ یہ چلتے پھرتے استاد ایک ایسے نظامِ تعلیم کے نمائندے تھے جس کی داغ بیل ڈالنے والے نے انسان کو علم کے لیے اقصائے چین تک سفر کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اسلامی مدارس میں ایسے اساتذہ اور طلبا کے لیے قیام و طعام کی آسانیاں مہیا ہوتی تھیں۔ ذی فہم والدین ان کی وقتی خدمات کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی لیے ابو عبداللہ الناتلی جب بخارا آئے تو شیخ کے والد نے انھیں اپنے گھر اتارا اور شیخ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔

عام رواج کے مطابق شیخ نے عقلیات کے علاوہ مذہبی علوم اور ادب کی بھی تحصیل کی۔ اس امر کا حتمی طور پر پتہ نہیں چلا کہ شیخ نے ادب کی تعلیم کس استاد سے حاصل کی۔ غالباً ان کے ادبی ذوق کو شروع میں نہیں تو بعد کی منازل میں ابوالحسین العروضی کی توجہ اور تربیت نے نکھارا اور سنوارا ہوگا۔ العروضی شیخ کا ہم سایہ تھا اور اس کی فرمائش پر انھوں نے اپنی کتاب العروضیہ ترتیب دی تھی۔ مذہبی علوم شیخ نے اسمٰعیل الزاہد سے حاصل کیے جو بقول شیخ اپنے زہد و اتقا کے لیے مشہور تھے۔

فطری صلاحیتیں :

ایران میں شیخ کے بچپن کے بارے میں جو قصے زبان زد خلائق ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں فطرت سے ایک عجیب و غریب ذہن رسا، قوتِ حافظہ اور نزاکت حدس و احساس عطا ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو اپنی ابتدائی زندگی یہاں تک کہ روزِ پیدائش تک کے بعض واقعات یاد تھے۔

ہفت اقلیم رازی میں شیخ کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ جب میں پیدا ہوا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اندھیرے میں چلا گیا ہوں اور اس کے بعد روشنی میں آگیا ہوں۔ ان کی والدہ کہتی ہیں کہ جب بوعلی پیدا ہوا تو اس وقت میرے پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے گھبرا کر اس کو ایک طشت کے نیچے ڈھانپ دیا اور جب اپنے شغل سے فارغ ہوئی تو اس کو طشت کے نیچے سے نکالا۔ اسی ضمن میں ایک روایت یہ بھی

ہے کہ شیخ کہا کرتے تھے کہ جب میں پیدا ہوا تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے آسمان مشک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ نے انھیں چھلنی سے ڈھانپ دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی ان کے حافظہ میں محفوظ رہا۔ اسی طرح وہ جب ایک سال کے ہوئے تو ایک مرتبہ ان کی والدہ کو انھیں گھر میں اکیلے چھوڑ کر جانا پڑا۔ وہ جاتی ہوئیں ان کی گردن میں ایک گلوبند باندھ گئیں۔ اکیلے میں ایک کوا آیا اور ان کا گلوبند لے اڑا۔ ہمسایہ کی دیوار میں ایک سوراخ تھا۔ کوے نے اس گلوبند کو اس سوراخ میں چھپا دیا۔ اس پر دو سال گزر گئے اور شیخ کی عمر تین سال کی ہوگئی۔ شیخ کی والدہ نے اس کا تذکرہ ہمسائی سے کیا تو شیخ کو یہ واقعہ یاد آگیا اور انھوں نے اس سوراخ کا پتہ بتایا۔ تذکرہ نویسوں نے ان کی یادداشت کے اس قسم کے جو واقعات بیان کیے ہیں، ان میں شاید اصلیت کی جگہ عقیدت کا عنصر زیادہ ہو، تاہم ان سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ عوام میں ان کی ذہانت کے بارے میں کیسے کیسے چرچے رہے ہوں گے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں ذکاوتِ حس بھی شدید قسم کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن استاد نے ان کی عدم موجودگی میں ان کی نہالی کے نیچے کاغذ کا تاؤ رکھ دیا۔ شیخ واپس آکر اس پر بیٹھا تو پوچھنے لگا کیا کمرے کی چھت کچھ نیچی ہوگئی ہے۔ ان کی قوتِ سامعہ بھی نہایت تیز تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ اصفہان یا قم میں مقیم تھے تو مسگران کاشی کی مس کوبی سے ان کی نیند حرام ہوگئی تھی۔ قوت باصرہ کے بارے میں شیخ کا کہنا ہے کہ انھوں نے ایک بار ستارہ زہرہ کو آفتاب کی موجودگی میں اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

قوتِ حافظہ کا اعجاز:

صاحب روضات نے کتاب تلخیص الآثار سے نقل کیا ہے کہ ابو عبید جوزجانی شیخ کے شاگرد نے ان کی مکتبی تعلیم کا ایک دلچسپ واقعہ ان کی زبانی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے ایک استاد کے پاس بٹھایا۔ دوسرے بچے کھیل میں لگے رہتے تھے لیکن میں کتابیں حفظ کرتا تھا۔ جب استاد نے میرے شوق کو دیکھا تو اس نے کہا تم کچھ کتابیں حفظ کرو۔ میں نے ان تمام کتابوں کو ڈیڑھ سال کے عرصے میں حفظ کر لیا۔ شیخ کا کہنا ہے کہ اگر استاد مجھے ڈھیل نہ دیتا تو میں اس کام کو اس سے بھی کم مدت میں ختم کر لیتا۔ ان کتابوں کے نام سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیخ نے عربی زبان اور ادب میں کس معیار کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ کتابیں زبان و ادب میں چوٹی کی شمار کی جاتی ہیں۔ مثلاً نظم میں دیوان حماسہ، دیوان ابن رومی نثر میں ادب الکاتب۔ اصلاح المنطق اور کتاب العین۔ صرف و نحو میں تعریف مازنی اور سیبویہ۔

اگر اسلامی تعلیم کی روایات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو صاحب الروایات کا بیان بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ اس زمانے میں اکثر طلبا ادب میں پوری کی پوری کتابیں حفظ کر لیتے تھے۔ اور ہمارے نظامِ تعلیم میں اس کی ایک نہیں کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔ ابنِ خلدون نے خود نوشت سوانح حیات میں ان کتابوں کی صراحت کی ہے جو اس نے حفظ کی تھیں۔ ان میں شیخ کی طرح دیوانِ حماسہ بھی شامل تھا۔

محنت اور ریاضت :

ایک انگریزی قول کے بموجب نباغت یا (Genius) کے اجزائے ترکیبی میں اگر نباغت (Inspiration) کا جزو ایک فیصد ہے تو محنت اور ریاضت (Perseverance) کا ۹۹ فیصد ہے۔ ابنِ سینا کی تعلیم میں محنت اور ریاضت کو بڑا دخل تھا اور تعلیم کے ابتدائی دور میں انھوں نے جس طرح جان توڑ محنت کی ہے، اس کی مثال دنیائے تعلیم و تلمذ میں کم ملتی ہے۔ شیخ نے جب ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو شروع میں اس کے مطالب بہرے سے قابو میں نہیں آتے تھے۔ اس پر شیخ نے جی کڑا کر کے کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ ایک بار ختم کرنے پر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اس کا دوسرا دور کیا۔ اس کے بعد تیسرے کا آغاز کیا۔ اس طرح لگاتار پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے قول کے مطابق شیخ نے اس کتاب کو چالیس مرتبہ ختم کیا لیکن اشکال کی گتھیاں نہ کھلنا تھیں نہ کھلیں۔

انہی دنوں شیخ کو سوق الوراقین یعنی کتب فروشوں کے بازار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ سرِ راہ ہے محمد دلال سے ملاقات ہوئی۔ شیخ کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد دلال کی ان سے پرانی ملاقات تھی اور وہ شیخ کی علمی دلچسپیوں سے خوب آگاہ تھا۔ شیخ کو دیکھتے ہی وہ ان کے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا کہ اتفاق سے مجھے رازی کی مابعد الطبیعیات پر کتاب ہاتھ آگئی ہے۔ اس کو خرید لو۔ شیخ کا شاید ان دنوں ہاتھ تنگ تھا۔ انھوں نے بہت پیچھا چھڑانا چاہا مگر دلال ایسے گاہک کو آسانی سے کیسے ہاتھ سے جانے دیتا۔ کہنے لگا کتاب کا مالک اس وقت ضرورت مند ہے اور وہ اسے تین درہم میں دینے کو تیار ہے۔ شیخ کتاب لے کر گھر لوٹے۔ الٹ پلٹ کر دیکھا تو ایسا معلوم ہوا جیسے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ شیخ کے قول کے مطابق چونکہ وہ ارسطو کی کتاب کو چالیس مرتبہ دہرا چکے تھے، اس لیے اس کے مطالب ان کو پہلے سے حفظ تھے۔ رازی کی کتاب پڑھنے کے بعد سب مقاصد ان پر کھل گئے۔ اور اس سے ان کی طبیعت کو اتنا انبساط ہوا کہ اس خوشی میں انھوں نے دوسرے دن ہی فقرا اور مساکین میں بہت سا مال و زر تقسیم کیا۔

اسی طرح جب شیخ نے یونانی فلاسفہ مشائین کے بعد دبستان اشراقیین کا مطالعہ شروع کیا تو آغاز منطق المشرقیین میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس میں تحقیق و مطالعہ کے عمل کو دوسو بار تجدید کیا۔

محنتِ شاقہ اور ریاضتِ جسمانی :

تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی شیخ نے محنتِ شاقہ کی اعلیٰ عادت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ان کی پوری زندگی انتہائی مصروفیت میں گزری اور تعجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقابلتاً مختصر عرصۂ حیات میں اتنے علوم و فنون کو اتنی گیرائی اور گہرائی کے ساتھ کیسے سمیٹ سکے۔ اس کا ایک سبب ان کی اچھی جسمانی صحت اور تندرستی بھی تھا۔ تذکرہ نویسوں نے جسمانی لحاظ سے شیخ کے بارے میں لکھا ہے کان قوی القویٰ۔ وہ اپنی اس اچھی تندرستی کی وجہ سے تحقیق و تحریر کے میدان میں اس قدر کام کر سکے۔ عنفوانِ شباب میں انھوں نے کتابوں کے مطالعہ میں جو محنت و ریاضت کی، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن یہ ریاضت اور محنت ان کے لیے طبیعتِ ثانیہ بن گئی۔ ان کے لگاتار اور مسلسل کام کرنے کی عادت کا اندازہ دو مثالوں سے ہو سکتا ہے۔

دو مثالیں :

ابو عبید جوزجانی کے قول کے مطابق شیخ نے منطق پر اپنا رسالہ المختصر الاوسط جرجان میں لکھا تھا۔ یہ رسالہ کتاب نجات کے شروع میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ شیراز بھیجا تو وہاں کی جماعت نے اس پر کچھ اعتراضات وارد کیے اور انھیں ابوالقاسم کرمانی کی معرفت شیخ کے پاس ہمدان میں بھجوا دیا۔ شیخ ابوالقاسم کرمانی شیخ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ شیخ نے اسی وقت ابو عبید سے کاغذ کے پانچ جزو منگوائے۔ ہر ایک جزو کو دس اوراق میں تقسیم کیا اور نمازِ عشا کے بعد جو لکھنا شروع کیا تو صبح تک تمام اعتراضات کے جواب لکھ کر پورے کر لیے۔ یہاں تک کہ جب ابوالقاسم کا فرستادہ شیخ کے پاس بھیجا ہے تو پانچوں اجزا پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے تھے اور شیخ اپنا کام پورا کر کے صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔

کتابِ شفا کی تکمیل :

ہمدان میں شیخ نے شمس الدولہ والیِ ہمدان کا قولنج کا علاج کیا تھا۔ بعد میں قلمدانِ وزارت بھی سنبھال لیا تھا۔ شمس الدولہ کی وفات پر اس کے بیٹے تاج الملک نے شیخ کو وزارت کا عہدہ پیش کیا مگر شیخ نے

انکار کر دیا۔ اِدھر علاء الدولہ والیٔ اصفہان سے خفیہ طور پر خط و کتابت شروع کر دی۔ چونکہ تاج الملک سے خدشہ لاحق ہوگیا تھا اس لیے شیخ "ابو غالب العطار" کے مکان میں روپوش ہوگئے۔

اسی زمانے میں ابو عبید جوزجانی نے درخواست کی کہ کتاب الشفا مکمل کر دی جائے۔ شیخ نے کاغذ اور قلم دوات منگوایا اور آٹھ دن میں اس کے رؤس المطالب کو بیس اجزا میں اپنے ہاتھ سے لکھا اور اس کے بعد دو دن اس کے رؤس موضوعات لکھنے میں لگا دیے۔ شیخ نے کتاب کے بڑے بڑے مسائل کو کسی کتاب کی امداد کے بغیر اور اصل سے رجوع کیے بغیر محض یادداشت سے لکھا۔ اس کے بعد ان رؤس المسائل کو سامنے رکھ کر ہر جزو کی شرح لکھی۔ شیخ روزانہ پچاس ورق لکھتا تھا۔ یہاں تک کہ طبیعیات اور الہیات کی کتابیں مکمل کر دیں۔ ان میں محض کتاب الحیوان اور کتاب النبات رہ گئیں اس کے بعد علم منطق کا آغاز کیا۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ سفر، حضر، آزادی یا پابندی ہر حالت میں جاری رہتا تھا۔ تاج الملک والیٔ ہمدان نے شیخ کو قلعہ فردجان میں قید کر دیا تو اس قید تنہائی میں اس نے حی بن یقظان کا فلسفی رومان، کتاب القولنج اور کتاب الہدایات تصنیف کیں۔

روزانہ کا لائحہ عمل :

اگرچہ شیخ خود تو اپنا زیادہ وقت کتاب خوانی اور دانش آموزی میں گزارتے تھے لیکن انھوں نے ایک عام انسان کے لیے روزانہ کے اوقات کے تین حصے کر دیے ہیں۔ رسالہ نہایۃ المطلوب میں انھوں نے خرم آباد شہر کے بادشاہ کی داستان بیان کی ہے جس کو دمطیع نامی ایک بوڑھا نصیحت کرتا ہے کہ اپنے روزمرہ کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر لو۔ چوبیس گھڑیوں میں سے آٹھ کو طلب قوتِ جسمانی کے لیے وقف کر دو تاکہ جسد خاکی قائم رہے اور آٹھ گھڑیاں طلب علم اور غذائے روحانی کی تلاش میں تاکہ روح کو جہل کا شوق اور اس کی تلاش نہ رہے اور آخری آٹھ گھڑیوں کو آرام و استراحت کے لیے وقف کر دو کیونکہ بدن ایسا آلہ نہیں جس سے چوبیس گھنٹے کام لیا جاسکے۔

فطین طالب علم کا طریق تدریس :

فطین طالب علم کے بارے میں استاد پر سب سے اہم فریضہ یہ عاید ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طریق سے ابتدائے کار سے ہی طالب علم کی فطانت کا اندازہ لگائے اور اس کے بعد اپنے طریق تعلیم کو طالب علم کی طبعی صلاحیت اور اس کی فطانت کی تیزی سے مطابقت دینے کی کوشش کرے۔ فطین طالب علم کے

لیے کتاب کی پڑھائی اور رٹائی کی بجائے اس بات کی ضرورت ہے کہ استاد پڑھاتے وقت ابتدا سے ہی اس کے ذہن کو معلومات کا پلندہ بنانے کی بجائے اس کی قوتِ فکریہ کو ایسی راہوں میں ڈھالنے کی کوشش کرے جن پر نصابی کتاب کا مصنف گامزن ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھے کہ شاگرد مصنفِ کتاب کا محض مرید با تقلید ہی نہ بن جائے اور اپنی قوت فکریہ کو مصنف کی اس نقشِ راہ کا ہی پابند نہ کر دے جن کو بار بار کی رٹائی اور پڑھائی کا سلسلہ اور بھی گہرا کر جاتا ہے اور جس سے بعد میں قوتِ فکریہ کی گاڑی کے پہیے نکالے بھی نہیں نکلتے۔ فطین طالبِ علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ استاد کی امداد سے کچھ راستہ تو مصنف کے نقشِ راہ پر ہی چلے اور اس کے بعد اپنی راہیں خود نکالے۔

ریاضیات کی تدریس :

الناتلی کے پڑھانے کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ اس نے ریاضیات کی اکثر کتابیں شیخ کو مکمل طور پر نہیں پڑھائیں۔ مثلاً "شیخ نے استاد سے اقلیدس کی محض پانچ یا چھ اشکال مطالعہ کیں اور اس کے بعد باقی اشکال کے حل اپنی سوجھ بوجھ سے خود ہی کیے۔ آج بھی جیومیٹری میں تحلیلی (analysis) طریق کا اصول بھی اسی طریقِ تعلیم کی جانب نشان دہی کرتا ہے۔ شیخ اپنی سوانح حیات میں خود لکھتے ہیں کہ اقلیدس کے بعد میں نے علمِ ہیئت کی معروف کتاب مجسطی کو شروع کیا۔ اس میں بھی الناتلی نے اس مضمون کے مقدمات یعنی ابتدائی اصولوں کے پڑھانے پر ہی اکتفا کیا اور جب اشکال ہندسی پر پہنچا تو بقول شیخ "الناتلی نے مجھ سے کہا اب تم خود مطالعہ کرو اور اس کی اشکال حل کر کے مجھے دکھاؤ تاکہ میں تمہیں اس کے صواب خطا سے آگاہ کر دوں"۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ بھی ہوئی کہ ناتلی خود بھی بعض اشکال کے حل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ شیخ کہتا ہے کہ جب میں نے ان کے حل مکمل کر کے استاد کو دکھائے تو یہ چیزیں ان کی بھی سمجھ میں آ گئیں۔

منطق و ریاضیات کی تدریس :

ناتلی نے معقولات کی تدریس کو منطق سے شروع کیا تھا۔ اس کی مروجہ کتاب ایساغوجی تھی جو آج کل بھی درسِ نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ شیخ کے کہنے کے بموجب جب استاد نے جنس کی تعریف و تحدید کی تو شیخ کی قوتِ فکریہ کو مہمیز لگی اور وہ اس کی تحقیق میں لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس موضوع پر ایسی بحث کی کہ میرے استاد نے اس کی نظیر پہلے کسی سے نہیں سنی تھی اور

انھیں اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی۔

معقولات میں شیخ کی تعلیم کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہر مضمون کی تعلیم میں تین منزلیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ابتدائی منزل میں شیخ نے استاد سے نصابی کتاب کے مقدمات بالاستیعاب سبقاً سبقاً پڑھے۔ دوسری منزل خود مطالعہ کی منزل تھی۔ اس میں شیخ نے کتاب کو خود پڑھا اور اس کی اشکال کو حل کیا۔ استاد کی امداد محض اس قدر شامل حال تھی کہ شیخ استاد کو اپنے حل دکھا کر اس کی جانچ کرا لیتے تھے۔ تیسری منزل مکمل آزاد مطالعہ کا دور تھا۔ اس میں شیخ نے صاحب تصنیف پر تنقید کی اور اپنی طرف سے مسائل کا اضافہ کیا۔

علم ہیئت :

مثلاً شیخ کے شاگرد ابوعبید جوزجانی کے قول کے مطابق علم ہیئت کی کتاب مجسطی میں دس اشکال نہایت مربوط انداز میں پیش کی گئی تھیں لیکن شیخ نے ان میں اختلاف کو واضح کیا۔ اسی طرح اقلیدس میں بھی بعض اشکال کا اضافہ کیا۔ نیز ارثماطیقی (arithmetic) میں بعض عمدہ اصولوں کو ایجاد کیا۔ علم موسیقی بھی اس زمانے میں ریاضیات کی ہی شاخ تھی۔ اس میں بھی ایسے سوالات اٹھائے جن کا پہلے علما کو علم نہیں تھا۔

نئی کتاب کا مطالعہ :

بعد کے مطالعہ میں بھی شیخ اسی اصول پر کاربند رہے۔ ابوعبید جوزجانی شیخ کے ساتھ پچیس سال رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شیخ کو جب بھی کوئی نئی کتاب ملتی تھی تو اس کو اوّل سے آخر تک ترتیب سے مطالعہ نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اس میں سے مواضع مشکلہ کو نکال کر ان کی چھان بین کرتے تھے۔ مصنف کی تحریر پر غور کرتے اور دیکھتے کہ اس مقام پر مصنّف نے کیا کچھ لکھا ہے اور اس سے اندازہ لگا لیتے تھے کہ اس علم میں مصنّف کا کیا درجہ ہے۔

ذاتی مطالعہ کا دور :

اساتذہ سے باقاعدہ طور پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد ابتدائی دور میں ہی ذاتی مطالعہ کا زمانہ شروع ہوا اس زمانے میں انھوں نے کسی استاد سے استفادہ نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ان کے استاد ناتلی گرگانج چلے گئے۔ اس طرح شیخ نے کوئی ڈیڑھ سال کے بعد خود مطالعہ یا (Self Study) کا سلسلہ شروع کیا۔ اس زمانے میں روزانہ کے مشاغل کو انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں بیان کیا ہے۔ وہ اس زمانے میں رات دن مطالعہ میں مشغول رہتے تھے اور سوائے علوم کے حاصل کرنے

کے ان کا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ والد کا سایہ سر پر تھا۔ فکرِ معاش سے فراغت تھی۔ ان کے استاد ناتلی بھی ان کے والد کو کہہ گئے تھے کہ اس بچے کو تعلیم و تعلم کے سوا کسی اور کام میں نہ ڈالنا۔

مطالعہ کا طریق :

لیکن اس دور میں ان کی کیفیت "چارپائے بر و کتابے چند" والی نہیں تھی۔ ہر ایک کتاب میں جو دقت طلب مقامات آتے تھے، اُن کو خود حل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور طبیعت کا یہ رجحان آہستہ آہستہ طبیعت میں اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ بعد میں انھوں نے ہر مسئلہ کو اپنے لیے ایک ذاتی چیلنج تصور کیا اور اس کے آہنگ مبارزت کو قبول کیا۔ شیخ کہتے ہیں کہ اس دور میں مطالعہ کے ضمن میں اگر کوئی مشکل پیش آتی اور اس کے حل کرنے سے عاجز ہو جاتا تھا تو مسجد کا رخ کرتا۔ نماز پڑھتا اور اللہ تعالیٰ سے اس مشکل کے حل کی دُعا مانگتا۔

" دن بھر مطالعہ میں مشغول رہتا۔ شام کے وقت گھر لوٹتا تو چراغ جلا کر پڑھنے بیٹھ جاتا اور مطالعہ اور موضوعات کے لکھنے میں وقت گزارتا۔ یہاں تک کہ نیند آنے لگتی ضعف اور تھکن سے بدن ٹوٹنے لگتا تو اس وقت محض اس لیے کہ بدن میں دوبارہ سکت آجائے، قدرے پینے پلانے کا شغل کرتا۔"

نیم خوابی اور علمی انکشافات :

اس ضمن میں شیخ نے ایک دلچسپ تجربہ بیان کیا ہے، جس کی تصدیق آج کل کے بعض عظیم سائنس دانوں نے بھی کی ہے۔ مثلاً آئن سٹائن نے بیان کیا ہے کہ اس کے علمی تجربے میں جو زبردست انکشافات ہوئے ہیں، وہ ایسی حالت میں ہوئے جب وہ نیم خوابی کی حالت میں تھا۔

شیخ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں کتابیں پڑھنے کی ایسی عادت ہو گئی تھی کہ میں ان کے مسائل کو خواب میں بھی دیکھتا تھا، اور ان میں بہت سے مسائل کے حل مجھے خواب میں ہی مل جاتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس عمل پر پوری مداومت کی یہاں تک کہ میں نے علوم میں استحکام کا درجہ حاصل کیا اور انسانی امکان میں جہاں تک تھا اس پر واقفیت حاصل کر لی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دور میں مَیں نے جو کچھ سیکھا، وہ مجھے آج تک بے کم و کاست یاد ہے۔ اس زمانے میں میں نے منطقی طبیعی اور ریاضی میں ایسا تبحر حاصل کر لیا تھا کہ آج تک اس علم میں مزید اضافہ نہیں ہوا۔

شیخ میں آزاد مطالعہ کی عادت سولہ سال کی عمر میں ہی پختہ ہو چکی تھی۔ وہ مطالعہ کرتے وقت سادا کاغذ

سامنے رکھتے اور ہر صفت اور دلیل کو جو سمجھ میں آتی اور جو مقدمات قیاس کی امداد سے ثابت ہوتی تھی کاغذ پر لکھ لیتے۔ شرائط مقدمات کی رعایت کرتے اور ان کو نظر میں رکھتے۔ نیز ان قیاسات کو جو منتج اور عقیم ہوتے، ان کو بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ اور اس طرح سے ہر فن کے مسائل میں استمداد خداوندی کے خواستگار ہوتے، یہاں تک کہ وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔

تلامذہ کی تربیت :

شیخ کے تلامذہ کا حلقہ نہایت منتخب اور محدود تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے باکمال صاحب ایجاد سے معمولی استعداد کا طالب علم استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے خاندان میں شیخ کو اپنے چھوٹے بھائی علی کو تعلیم دینے کا تھوڑا بہت موقع ملا تھا۔ اس کے لیے انھوں نے منطق پر اپنا مشہور ارجوزہ (عربی قصیدہ) لکھا تھا جس کے ابتدائی اشعار میں تصریح کی ہے کہ باپ نے مرتے وقت علی کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اس لیے شیخ نے اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ علی کی تعلیم کے بارے میں کوئی تفصیلات موجود نہیں۔ البتہ چھوٹے بچوں کی تعلیم کے بارے میں شیخ نے اپنی کتاب شفا اور خاص طور پر تدبیر المنازل میں بعض ایسے بنیادی اصول پیش کیے ہیں، جو اس ترقی کے زمانے میں بھی کم از کم اسلامی ممالک کی تعلیم کے لیے مشعلِ ہدایت کا کام دے سکتے ہیں۔

طریق تعلیم — اس کی تفصیل :

شاگردوں کی تعلیم کے بارے میں شیخ جو طریق استعمال کرتا تھا، اس کی مختصر سی تفصیل عبید جوزجانی نے اپنے تذکرہ میں دی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک بار شیخ کے شاگردوں اور خود ابوعبید جوزجانی نے شیخ سے درخواست کی کہ وہ ان کے لیے ارسطو کی کتابوں کی شرح کر دے۔ شیخ نے کہا کہ دن کے وقت تو سب مجھے وزارت کے کاموں سے فرصت نہیں ہوتی۔ البتہ رات کے اوقات خالی ہوتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں ان اوقات میں تمھارے لیے ایک ایسی کتاب لکھ دوں جو میرے نزدیک درست ہو۔ اور دوسروں کے ساتھ معارضہ سے خالی ہو۔ ابوعبید کہتا ہے کہ ہم اس پر راضی ہو گئے۔ اس پر شیخ نے کتاب شفا کے باب طبیعیات سے آغاز کیا۔ اس سے پہلے وہ قانون کی کتاب تصنیف کر چکے تھے۔ ان کا طریق تعلیم تدریس و تصنیف کا ملا جلا سا نمونہ تھا۔ طلبہ رات کو ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے۔ طریق تدریس یہ تھا کہ ایک بار ابوعبید کتاب شفا سے پڑھتا تھا۔ اور ایک مرتبہ قانون سے۔ اسی طرح شیخ کا ایک دوسرا شاگرد ابن زیلہ کتاب

اشارات سے اور بہمن یار الحاصل والمحصول سے پڑھتا تھا جب درس سے فارغ ہوتے تھے تو پینے پلانے کا شغل ہوتا تھا۔ اس کے بعد سماع خوانی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ چونکہ دن میں فرصت نہیں ہوتی تھی اس لیے یہ کام رات کو ہی کیا جاتا تھا۔

مناظرات کا طریق :

شیخ کے زمانے میں مناظرات کا بڑا رواج تھا۔ بلند پایہ علما اور حکما آپس میں مناظرے کرتے تھے تو اس میں عام لوگ بھی بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ اسی لیے ہر شہر میں ایک دار المناظرہ بھی ہوتا تھا۔ حکمران طبقہ کو بھی مناظروں سے دلچسپی تھی۔ شیخ کے مربی علاء الدولہ حاکم اصفہان کے دربار میں ہر جمعہ کی شب کو مناظرہ ہوتا تھا جس میں شیخ بھی حصہ لیتے تھے۔ لیکن ان پبلک مناظروں کے علاوہ نظامِ تعلیم میں بھی بحث و مباحثے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ اسلامی فنِ تعلیم کی کتابوں میں اس بات کی بار بار تصریح کی گئی ہے کہ شاگردوں کو سوال کرنے کا پورا موقعہ دیا جائے اور بحث و مباحثہ کی امداد سے طلبہ کو متنازعہ فیہ مسائل میں صحیح نتائج پر پہنچنے کی طرف رہنمائی کی جائے۔ شیخ کے شاگردوں کو بھی سوالات اور اعتراضات کی پوری آزادی تھی اور شیخ کے بعض رسالے شاگردوں کے سوالات کے جواب میں ہی لکھے گئے ہیں مثلاً بہمن یار مجوسی جو شیخ کا ایک نہایت ذہین شاگرد تھا، وہ شیخ کی مجلس میں اکثر اپنے اشکالات اور مسائل کو پیش کرتا تھا۔ ان کے جواب میں شیخ نے کتاب المباحثات لکھی۔ اس کے ایک اور شاگرد ابن زیلہ کے اعتراضات کا جواب بھی اسی کتاب میں ہے۔ اسی طرح جس زمانے میں شیخ خوارزم شاہ کے دربار میں مقیم تھا تو احمد السہلی وزیر نے ان سے ایک سوال کیا تھا کہ زمین جو وسط سما میں قیام کرتی ہے اس کا کیا سبب ہے۔ شیخ نے اس موضوع پر بھی ایک رسالہ لکھا تھا۔

محنت و ریاضت :

شیخ خود علمی معاملات میں سخت محنت کے قائل تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کا شوق دلاتے۔

بہمن یار کا شمار شیخ کے اچھے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ صاحب روضات نے بہمن یار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک دن شنبہ کا روز تھا ہمیں اور دوسرے شاگرد شیخ کی مجلس میں حاضر تھے۔ اتفاق سے شیخ جو کچھ کہتے تھے ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ شیخ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کل کا دن بطالت اور تعطیل میں گزارا ہے۔ ہم نے جواب میں کہا۔ شیخ آپ نے درست فرمایا۔ ہم لوگ دوستوں کے ساتھ سیر کو چلے گئے تھے"

اس لیے آج کے سبق کا پہلے جتنا پیشگی مطالعہ نہیں کر سکے۔ اس پر شیخ نے آہ سرد کھینچی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگے۔ مجھے اس بات کا نہایت ہی رنج اور اندوہ ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اگرچہ ایک بازی گر کا کام ملکۂ جسمانیہ سے متعلق ہے لیکن کبھی کبھی وہ محنت اور ریاضت سے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ ہزاروں خرد مند اس کے کمال پر حیران ہوتے ہیں۔ ایک تم لوگ ہو کہ تم نے حکمت اور معارف کو نہایت کم قیمت اور کم عرض تصور کر لیا ہے اور اپنا زیادہ وقت سیر سپاٹے اور بے ہودہ کاموں میں گزارتے ہو اور اسے دانش آموزی اور فضیلت پر ترجیح دیتے ہو۔ اسی لیے تم ملکۂ روحی کی تکمیل نہیں کر سکے۔ کیا تم یہ نہیں کر سکتے کہ اپنے نفوس میں ملکۂ روحی کو اس درجہ ترقی دو کہ زمانے کے نادان تمہارے کمال پر تعجب کریں اور سرگرداں رہیں۔

تلامیذ کے معیار کا اندازہ :

جس طرح شیخ کے استاد ناتلی نے شیخ کی بصیرت و فطانت کا اندازہ لگا لیا تھا اور اس کے پیش نظر اپنے طریق تدریس میں بھی مناسب ترمیم کر لی تھی، اسی طرح شیخ کو بھی اپنے تلامذہ کی استعداد کا اندازہ تھا۔ اپنے تمام شاگردوں میں سے ان کے نزدیک الحکیم ابو عبید اللہ المعصومی کا درجہ بہت بلند تھا اور وہ اس کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس کا مرتبہ میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے افلاطون کی نظر میں ارسطو کا۔ شیخ نے اپنی کتاب العشق اسی کے نام پر تالیف کی تھی۔ جس زمانے میں شیخ ابو ریحان البیرونی کے سوالات کا جواب دے رہا تھا اس زمانے میں معصومی بھی شیخ کے ساتھ تھا۔ چونکہ البیرونی کی مکاتبت میں اشارتاً ایسے الفاظ ہوتے تھے جن میں شیخ کے بارے میں سوئے ادب کا پہلو نکلتا تھا اس پر معصومی بہت جز بز ہوتے تھے بلکہ شیخ کی خدمت میں بہت اصرار سے کہتے تھے کہ انہیں البیرونی کے ساتھ مناظرے کی اجازت دی جائے۔

شیخ کی تصانیف کو مدون کرنے میں جو کام ان کے شاگرد الفقیہہ الحکیم ابو عبید الجوزجانی نے کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ابو عبید اس کام کو اپنے سر نہ لیتا تو ان کی اکثر تصانیف یقیناً ضائع ہو جاتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے شیخ کی شاگردی کا حق اس انہماک سے ادا کیا کہ اپنے آپ کو بھی اس کام میں کھو دیا۔ چونکہ اس مصروفیت کی وجہ سے اسے خود اپنا کام کرنے کے لیے کم وقت ملتا تھا، اس لیے بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ شیخ کے شاگردوں میں اس سے کم بضاعت کوئی نہیں تھا۔ ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ شیخ کی مجلس میں ایک مرید کی حیثیت رکھتا تھا نہ کہ تلمیذ مستفید کی۔ اس نے شیخ کی بعض کتابوں مثلاً نجات وغیرہ کے آخر میں نئے ابواب لکھ کر انہیں مکمل کر دیا۔ رسالہ حی بن یقظان اور قصیدۂ روحیہ عینیہ کی

شرح لکھیں۔

ان کے تلامذہ کا احسان :

شیخ کے تلامذہ کا دنیائے سائنس پر ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے شیخ سے فرمائش کرکے کئی ایک کتابیں لکھوائیں۔ ان میں سب سے زیادہ کارآمد اور ایک لحاظ سے نادر کتاب دانش نامہ علائی ہے جو اس نے اصفہان کے قیام کے دوران علاء الدولہ حاکم اصفہان کے لیے لکھی تھی۔ یہ فارسی زبان میں معقولیات کی پہلی مستند کتاب ہے۔ علاء الدولہ کو عربی زبان اچھی طرح نہیں آتی تھی اس لیے اس نے شیخ سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کے لیے فارسی زبان میں فلسفہ پر ایک کتاب لکھ دے۔ اس کتاب میں شیخ نے عربی کی اصطلاحات کا فارسی زبان میں جس روانی اور سلاست سے ترجمہ کیا ہے، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگرچہ فارسی نثر اس زمانے میں اپنے ابتدائی دور میں تھی لیکن شیخ نے ان اصطلاحوں کے بنانے میں کیسی جودت طبع کا ثبوت دیا ہے۔

شیخ کی ذہنی تربیت کی یہ کہانی ہمارے لیے محض ایک داستان پارینہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ یہ ہمارے لیے اپنے مخصوص ماحول میں ان راہوں کی نشان دہی کرتی ہے، جن پر چل کر ہم اپنے ہاں کے ذہین و فطین طلبہ کو ایسی تعلیم دے سکتے ہیں جو محض پاکستان کے لیے ہی مفید ثابت نہیں ہونگی بلکہ عالمی دنیا کے لیے بھی تحقیق و تدقیق کے نئے راستے کھول سکتی ہیں۔

مسلمانوں کے سیاسی افکار

پروفیسر رشید احمد

مسلمان مفکروں نے سیاسی نظریہ سازی کی تاریخ میں بہت اہم ابواب کا اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف زمانوں اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان مفکروں اور مدبروں کے سیاسی نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں قرآنی نظریۂ مملکت کی بخوبی وضاحت کی گئی ہے جو ان سب مسلمان مفکروں کے نظریوں کی اساس ہے۔ (یہ کتاب بی اے کے نصاب میں داخل ہے)

صفحات : 432+8

قیمت : 6.50

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ۔ لاہور